اسلامی حقوق بشر کی سیریز (۱)

اسلام کے بنیادی حقوق

تالیف　　　　ترجمہ

ڈاکٹر عباس خواجہ پیری　　　　سید محمد رضوی

بسم الله الرحمن الرحیم

مشخصات

کتاب کا نام: اسلام کے بنیادی حقوق

تحریر: ڈاکٹر عباس خواجہ پیری

ترجمہ: سید محمد رضوی

نظر ثانی: سید حسین اختر رضوی اعظمی

کمپوزنگ: الغدیر فاوٴنڈیشن ہندوستان

ناشر: ادارہ تحریک ترجمہ

تعداد: دو ہزار

تاریخ اشاعت:

شابک:

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خیابان سمیہ بین شہید مفتح و شہید موسوی، پلاک ۱۷۳

تہران، ایران فون ۸۸۸۳۱۴۱۰

www.trans-move.com

فہرست مطالب

گفتار مولف ۸
مقدمہ ۱۲
اسلام اور بنیادی انسانی حقوق ۱۷
ظہور اسلام کے زمانے کے حالات ۱۸
اسلام میں انسانی حقوق کے اصول ۲۸
۱۔توحید ۲۸
۲۔مساوات کا اصول اور نسبی برتری کی تنسیخ......... ۳۰
۳۔ایمان وتقوی کی بنیادوں پر فضیلت ۳۸
۴۔اتحاد امت ۴۴
۵۔معاشرے میں دولت اور سہولیات میں توازن کا قیام ۵۰
۶۔انسانی جان کی حرمت ۶۳

۷۔بنیادی آزادیاں.. ۶۵
۸۔حاکمیت مطلقہ الٰہی ۶۸
۹۔ عوامی شراکت ۷۵
۱۰۔بردہ فروشی کی تنسیخ ۸۱
۱۱۔آزادی نسواں کا اعلان ۹۰
۱۲۔انسان کے اجتماعی حقوق ۱۰۰
محل رہائش کا انتخاب اور ہجرت کا حق ۱۰۱
خصوصی اور ذاتی زندگی کا احترام ۱۰۲
خاندان کی تشکیل اور شریک حیات کے انتخاب کا حق ۱۰۴
پیشے کا انتخاب اور اجرت لینے کا حق ۱۰۵
منابع و مآخذ.. ۱۰۹

گفتار مولف

ماسکو میں اسلامی جمہوریۂ ایران کے محترم ثقافتی قونصلر کی دعوت پر گذشتہ سال آذرماہ ۱۳۹۰ ہجری شمسی کے اواخر (دسمبر ۲۰۱۲ع) میں "بعثت فاؤنڈیشن" کے قابل احترام ذمہ داروں کی معیت میں مجھے روس کے دورے کی توفیق حاصل ہوئی۔

یہ دورہ اس ملک میں ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ اور معروضی حالات کے تناظر میں ضروری اقدامات کا جائزہ لینے میں ممد و معاون ثابت ہوا۔

اس دورے میں روس اور تاتارستان کی دینی و ثقافتی شخصیات کے ساتھ مفید اور نتیجہ خیز ملاقاتیں عمل میں آئیں، ان میں خاص طور پر ان دونوں جمہوریاؤں کے دینی اداروں کے ذمہ داروں کے ساتھ منعقد ہونے والی نشستیں قابل ذکر ہیں۔

ان نشستوں میں ہمیں پتہ چلا کہ وہ اسلامی مآخذ و کتب، خاص طور پر اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

مذکورہ ذمہ داران کے علاوہ روسی فیڈریشن بالخصوص شمالی قفقاز کے جمہوریاؤں اور دریائے ولگا کے ساحلی علاقوں میں رہنے والے بیس میلین مسلمانوں کے شدید رجحانات کو مد نظر رکھتے ہوئے، نیز سابق "سوویت یونین" میں شامل دیگر ممالک کے مسلمان اور غیر مسلمان افراد کے پیش نظر (جن کو فارسی زبان پر عبور حاصل ہے)، اس کے علاوہ ان ممالک کے اکثر لوگوں کے ذرائع نقل وحمل میں مطالعے کے مستحسن عمل کے تناظر میں، "ادارۂ تحریک ترجمہ" نے فیصلہ کیا کہ روسی زبان بولنے والوں کے معاشرے کو اپنا مخاطب قرار دے کر اپنی سرگرمیوں کو فروغ دے۔ (واضح رہے کہ اس ادارے نے تقریباایک سال قبل اسلامی تعلیمات سے متعلق کتب کے ترجمہ اور الیکٹرانک اشاعت کے سلسلے میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے۔)

راقم کو اسلام میں انسانی حقوق کے بارے میں مطالعہ و تحقیق کا ایک عشرے پر محیط تجربہ حاصل ہے، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ سلیس و رواں زبان میں نسبتا کم ضخامت والی کتابیں سپرد قلم

کردوں اوران کا روسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کراؤں تاکہ ان لوگوں کو اسلام میں انسانی حقوق کے اعلی اصولوں سے روشناس کرا سکیں۔

"بعثت فاؤنڈیشن" کے محترم ڈائریکٹر جنرل کی ہدایت کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ اس کتاب کے روسی ترجمہ کے علاوہ اس کا فارسی متن بھی شائع کیا جائے۔

میں اس توفیق خیر پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں اور بارگاہ ربّ العزّت سے اس عمل کو جاری رکھنے کی مزید توفیق کے لئے دست بہ دعا ہوں۔

ڈاکٹر عباس خواجہ پیری
جنوری ۲۰۱۳ء
تہران اسلامی جمہوریہ ایران

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[1]

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۳

مقدمہ

انسانی حقوق، انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق ہیں، لہٰذا اس کی قدمت عالم خاکی پر انسانی عمر کے برابر ہے، دوسرے الفاظ میں جب سے انسان نے کرۂ ارض پر قدم رکھا اس وقت سے انسانی حقوق نے بھی جنم لیا۔

افراد بشر کی تعداد میں اضافے اور انسانی معاشروں کی تشکیل کے ساتھ ان حقوق کو بھی وسعت ملی، چنانچہ یہ، حق جوئی کی جد وجہد اور حریت پسندی کی تحریکوں کا منشاء قرار پایا اور انسان کی مستقل امنگیں شمار ہونے لگیں۔

مؤرخین کو اپنی تحقیق و مطالعے کے نتیجے میں ایسی دستاویزات اور شواہد ملے ہیں جن کی قدمت دو ہزار سال قبل مسیح سے تعلق رکھتی ہے۔

ان میں انسانوں کے فطری حقوق اور بنیادی آزادیوں پر زور دیا گیا ہے۔

۶۱۰ ء میں دین اسلام کا ظہور انسانی تاریخ کا ایک زریں اور جاوداں باب ہے۔

اس دین کو اپنی زریں تعلیمات، بالخصوص انسانی حقوق کے گرانقدر اصول کی وجہ سے ظلم واستحصال کی چکی میں پسے ہوئے انسانوں کی طرف سے بہت زیادہ پذیرائی ملی اور کم عرصے میں دنیا کے ایک بڑے علاقے کے باشندے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مشہور اسلامی مفکر ومحقّق سید ابوالاعلی مودودی کے بقول:

مغرب والوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر مستحسن عمل کو اپنی طرف منسوب کرلیتے اور بزعم خود اپنے آپ کو انسانیت کو حاصل ہونے والے تمامتر فضائل اور خوبیوں کا منشاء سمجھتے ہیں، جب کہ انسانی حقوق کے بارے میں مغرب کی پہلی دستاویز "میگنا کارٹا" (برطانیہ کے عظیم منشور) کا اعلان "کنگ جان" (اس دور کے شہنشاہ انگلستان) نے ۱۲۱۵ء میں یعنی دین اسلام کے ظہور کے چھ سو برس بعد کیا ہے۔

یہ دستاویز اور اس کے بعد منصّۂ شہود پر آنے والی تمام دستاویزات اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مغرب، انسانی حقوق کے موضوع میں پسماندہ تھا۔

یہ بات مغرب کی جانب سے انسان کے مقام و منزلت کے بارے میں عدم دلچسپی اور طویل صدیوں کے دوران عالم انسانیت پر ہونے والے مظالم کی روداد سے بے توجہی شمار ہوتی ہے۔

اسلامی تعلیمات میں انسانی حقوق کے مفاہیم کے جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ، اسلامی شریعت اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں پائے جانے والے انسانی حقوق، اس سلسلے میں مغرب کی طرف سے کئے جانے والے دعوؤں کے مقابلے میں بہت ہی کامل و ہمہ گیر ہیں۔

اس کی وجہ انسان اور اس کے مادی و روحانی تقاضوں کے بارے میں مغرب اور اسلام کے نظامہائے قانون میں پایا جانے والا بنیادی فرق ہے۔

اسلامی شریعت میں انسان کی فضیلت و مقام انسانیت اور روحانیت کے معیارات کو خاص اہمیت حاصل ہے، جب کہ انسان کے بارے میں مغرب کی نگاہ روحانی و اخلاقی عوامل پر مبنی نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اخلاق و مذہب، انسانی حقوق کے حصول اور تحفّظ کے اہم ترین ذرائع بن سکتے ہیں، لہٰذا کسی بھی معاشرے میں اخلاقی و دینی اقدار کا فروغ انسانی حقوق کے تحفظ میں پیشرفت کا سبب بنتا ہے۔

اسی طرح اخلاقی گراوٹ او دینی اقدار کی طرف بے توجہی، انسانی حقوق کی پامالی میں براہ راست موٴثّر ثابت ہوتی ہیں۔

چنانچہ اگر معاشرے میں قانون کی بالادستی اور لازمی قوانین کے نفاذ کا عمل اس معاشرے کے افراد کی بھرپور روحانی و نظریاتی حمایت کے ساتھ انجام نہ پائے تو مطلوبہ اور بہتر نتائج کا حصول ممکن نہیں ہو سکتا۔

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اداروں اور بین الاقوامی دستاویزات میں، دین اور لوگوں کے مذہبی نظریات کی طرف عدم توجہ، آج کی دنیا میں انسانی حقوق کے فروغ میں ناکامی کا باعث بن رہا ہے۔

اس کا نتیجہ انسانی حقوق کی پامالی کے سبب پیدا ہونے والی افسوسناک صورتحال ہے، جس کا مشاہدہ ہم آئے دن دنیا کے مختلف ممالک میں کر رہے ہیں۔

مقالات کے اس سلسلے میں ہم قارئین کو حقیقی اسلامی تعلیمات سے متعارف کراتے ہوئے، مغرب والوں کے بہ ظاہر چکا چوند لیکن اندر سے کھوکھلے دعوؤں کے مقابلے میں، اسلام کی ارفع و اعلی شریعت کی حقانیت بیان کریں گے۔

تاکہ سب پر یہ حقیقت آشکار ہو سکے کہ انسانیت کس حد تک اسلامی تعلیمات اور خاتم النبییّن ﷺ کی شریعت کی مرہون منّت ہے۔

من اللہ التوفیق

اسلام اور بنیادی انسانی حقوق

اسلام میں انسان کے بنیادی حقوق سے اس وقت تک روشناس نہیں ہو سکتے، جب تک ظہور اسلام کے دور کی تاریخ کا مطالعہ نہ کریں۔

لہٰذا ہم ظہور اسلام کے دور کے معروضی حالات کا سرسری جائزہ لیتے ہیں:

ظہور اسلام کے زمانے کے حالات

اسلام ایک ایسی سر زمین پر منصۂ شہود پر آیا جو دنیا کے خشک ترین اور گرم ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔

اس کے باوجود کہ (جزیرہ نمائے) عرب مشرق ومغرب سے پانیوں میں گھرا ہوا ہے، لیکن چونکہ یہ نسبتا کم چوڑے سمندروں پر مشتمل ہیں، لہٰذا اس کی تپتی ہوئی گرم آب وہوا پر ان پانیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔[1]

عرب باشندے جاہل و بدو تھے اور کسی قسم کے نظم وانضباط کے پابند یا کسی طاقت کے تابع نہیں تھے۔

وہ قبائل کی صورت میں رہتے تھے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ دیگر اقوام اور نسلی گروہوں کے ساتھ انتہا پسند قوم پرستوں اور نسل پرستوں کے برتاؤ کی مانند تھا۔

وہ قتل وغارت، چوری اور دوسروں کی عزت وناموس کی

[1] تاریخ عرب، ص۸

بے حرمتی، جھوٹ اور غداری کو جائز سمجھتے تھے۔[1]

بدو عرب ایک خاص حکومت کے تابع نہیں تھے اور ان کی قومیت اور معاشرے کی بنیادیں قبائلی نظام پر استوار تھیں۔

قبیلہ اور حسب ونسب کی بنیاد پر فخر ومباہات کا اظہار اور افراد قبیلہ کی تعداد کو بڑھاچڑھا کر پیش کرنا، چاہے مردوں کی قبروں کی گنتی کے ذریعے کیوں نہ ہو، اہم ترین قبائلی صفات شمار ہوتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"تمہیں باہمی مقابلۂ کثرت مال واولاد نے غافل بنادیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کرلی"[2]

قبائلی نظام اور قبائلی وجاہلی تعصّب سے بھرپور جنگجویانہ صفات اور قوم پرستی بدو عربوں کی اہم خصوصیات تھیں۔

---

[1] تاریخ سیاسی اسلام، ص ۱۳

[2] سورۂ تکاثر، آیات ۱۔۲

جنگ وجدال اور غارت گری زندگی بسر کرنے کا ذریعہ اور رائج طریقۂ کار تھا، اسی لئے وہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ لڑنے اور اپنے ارد گرد کے قبیلوں کی لوٹ مار کے لئے تیار رہتے تھے۔[1]

زمانۂ جاہلیت کے عربی قصائد میں قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ کو قابل فخر کارناموں میں شمار کیا جاتا تھا۔

لڑکیوں کا قتل اور ان کو زندہ درگور کرنا طبقۂ اشراف کی ایک رسم تھی بلکہ امیروں کے علاوہ غربت وافلاس کے نتیجے میں بھی بعض لوگ اپنی ان لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے، جو جنگ وجدال اور غارت گری کے کام نہیں آتی تھیں اور ان پر بوجھ بنی ہوئی تھیں۔

زمانۂ جاہلیت کے عرب، عورت کو انسان اور حیوان کے درمیان (تیسری) مخلوق سمجھتے تھے۔

ان کی نظر میں عورتوں کی خلقت کا مقصد صرف بچے پیدا کرنا اور مردوں کی خدمت کرنا تھا۔

---

[1] العصر الجاہلی، ص ۶۱

اس دور میں لڑکی، کی پیدائش کو نحوست اور بد قسمتی سے تعبیر کیا جاتا تھا، اسی لئے ان کو زندہ در گور کرنا ایک روایت اور مروجہ عادت کے طور پر لڑکی کے سرپرستوں کے لئے جائز عمل محسوب ہوتا تھا۔[1]

جاہلی دور کی اس (مذموم) روایت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾

"اور جب خود ان میں سے کسی کو لڑکی، کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے ☆ قوم سے منہ چھپاتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی ہے، اب اس کو ذلت

[1] تاریخ تمدن اسلام و عرب، ص ۵۱۳، ۵۱۴

سمیت زندہ رکھے یا خاک میں ملادے، یقینا یہ لوگ بہت برا فیصلہ کررہے ہیں۔"[۱]

جاہلی دور کے عرب مردار کھاتے، راہزنی کرتے اور شراب نوشی، زنا کاری اور بے قید وبند، برے افعال انجام دیتے ہوئے خاص لذت محسوس کرتے تھے۔[۲]

مختلف طرح کے بتوں اور شبیہوں کی پرستش اور ان سے وابستگی اور بتکدوں کی تعمیر، حجاز کے عربوں کی اہم خصوصیات تھیں۔

بتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، چنانچہ کہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے ذریعے فتح مکہ کے وقت کعبہ میں ۳۷۰ بت رکھے ہوئے تھے، جو لشکر اسلام کے ہاتھوں توڑ دیئے گئے۔[۳]

---

[۱] سورۂ نحل، آیات ۵۸،۵۹
[۲] تاریخ اسلام، ص ۴۳
[۳] العصر الجاہلی، ص ۹۱

بت پرستی کو اس حد تک فروغ ملا تھا کہ حیوانات، نباتات، انسان، جن فرشتوں اور ستاروں کی اشکال میں بت بنائے جاتے اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔[1]

ظہور اسلام کے دوران سرزمین عرب کے حالات کو سمجھنے کا بہترین ماخذ حضرت علی علیہ السلام کا وہ خطبہ ہے جس میں آپ نے عربوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے:

"یقینا اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمین کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور تنزیل کا امانتدار بنا کر اس وقت بھیجا ہے، جب تم گروہ عرب بدترین دین کے مالک اور بدترین علاقے کے رہنے والے تھے۔

ناہموار پتھروں اور زہریلے سانپوں کے درمیان بود و باش رکھتے تھے، گندہ پانی پیتے تھے اور غلیظ غذا استعمال کرتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاتے اور قرابت داروں سے بے تعلق

---

[1] ملل و نحل شہرستانی، ج ۳، ص ۲۷۱

رہتے تھے، بت تمہارے درمیان نصب تھے اور گناہ تمہیں گھیرے ہوئے تھے۔"[۱]

مذکورہ شواہد ظہور اسلام کے دور میں جاہلی تہذیب کی اخلاقی گراوٹ کے بعض نمونے ہیں۔

لیکن بت پرست عربوں کے علاوہ سرزمین عرب اور دیگر ممالک کے مسیحی بھی اخلاقی برائیوں، خرافات اور بدترین فکری پستی کے ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھے۔

اس کے علاوہ دیگر ممالک اور خطے بھی اخلاقی پستی، شدید طبقاتی اختلافات، بے جا تعصّب، غلط روایتوں اور بے قید وبند حالات میں مبتلا تھے۔[۲]

ایران و روم میں جو اس زمانے کی دنیا کے دو بڑے ممالک تھے، طبقاتی امتیاز، مذہبی اختلافات، امراء و اشراف کی اجارہ داری، افراتفری اور بدامنی کا دور دورہ تھا۔[۱]

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶

[۲] خدمات متقابل اسلام و ایران، ج ۱، ص ۹۹

ایسے حساس حالات اور زمانے میں جب عالم انسانیت غلط روایتوں، نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات کی چکی میں پس رہی تھی، اسلام کا ظہور عمل میں آیا، جس نے انسان کے بنیادی حقوق متعین کئے اور انسان کو جاہلیت، خرافات اور غلامی کی زنجیروں سے رہا کرتے ہوئے کمال انسانیت کی منزل تک پہنچادیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اے لوگو، خداوند متعال نے ظہور اسلام کے ذریعے جاہلیت کی خامیوں اور آباؤ و اجداد اور خاندان پر فخر و مباہات کو تم لوگوں سے دور کر دیا۔

اے لوگو، بہ تحقیق تم آدم کی نسل سے ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

آگاہ رہو کہ تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"[1]

آپ نے یہ بھی فرمایا:

---

[1] رحمت عالمیان، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۰

"تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔
عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں ہے اور سوائے تقوی کے کسی کو امتیاز حاصل نہیں ہے۔"[1]

اسلام نے پہلی مرتبہ انسانی تاریخ میں، انسان کے لئے جس دن سے اس نے عرصۂ وجود میں قدم رکھا ہے، اس وقت تک جب وہ موت کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے اور موت کے بعد ابد تک کے حقوق کا تعین کیا ہے۔

اسی طرح اس نے ہر دور کے افراد کے فرائض کو بہ بانگ دہل عالمی سطح پر اعلان کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مختلف قبائل کے افراد کو اخوت و بھائی چارے کے بندھن میں باندھا اور لوگوں کو امن و آشتی اور بھائی چارے کی ترغیب دی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] حقوق بشر، اسد اللہ مبشری، ص ۱۳

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ...﴾
"بہ تحقیق مؤمن آپس میں بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرو۔"[1]

اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں، دوسروں کے لئے بھی اس کو پسند کریں اور جو بات اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں دوسروں کے لئے بھی اس کو ناپسند کریں۔[2]

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام نے اخوت وبرادری کے اصول کو صرف دین و مذہب کے معاملات میں منحصر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو انسانیت کی بنیادوں پر استوار کیا ہے تاکہ معاشرے میں امن ورواداری کی فضا قائم ہو سکے۔

اسی بنیاد پر حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشترؒ کو مصر کا گورنر مقرر کرتے وقت ان کے نام اپنے تاریخی فرمان میں لکھا ہے:

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۰

[2] الامام علیؑ صوت العدالۃ الاسلامیہ، ص ۱۰۵

"امّا اخ لک فی الدّین و امّا نظیر لک فی الخلق"

"(لوگ) یا تو تمہارے دینی بھائی ہیں یا خلقت میں تمہاری مانند ہیں۔"[۱]

اسلام میں انسانی حقوق کے اصول

اسلام میں انسان کے بنیادی حقوق کو سمجھنے کے لئے ان اصولوں کا جائزہ لینا ضروری ہے جن پر اسلامی شریعت استوار ہے، ان میں اہم ترین اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ توحید

توحید کے معنی خدا کی وحدانیت پر ایمان کے ہیں، یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شمار ہوتا ہے۔

[۱] نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۹۸۴

توحید ایک اٹل حقیقت اور انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔

اسلام نے توحید کے ذریعے زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے خرافات جیسے بت پرستی اور بے جا تعصّبات وغیرہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور نسل ورنگ اور قومیت سے ہٹ کر تمام معاشروں کے اتحاد ویکجہتی پر زور دیتے ہوئے ان کو تفرقہ واختلاف اور نفاق وپراکندگی سے محفوظ رہنے کی تعلیم دی۔

توحید پر عقیدہ رکھنا کسی بھی معاشرے کے افراد یا مختلف معاشروں کے درمیان برابری ومساوات اور اخوت واتحاد قائم کرنے کے اہداف حاصل کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور بنیادی طریقۂ کار ہے۔

اس کے علاوہ یہ، ظالم وجابر طاقتوں کی بالادستی اور تسلّط کی راہ میں موجود سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

توحید، بندگی وغلامی سے انسانوں کی رہائی کی بنیاد اوران کی نجات وآزادی کا ذریعہ ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قولوا لا الہ الّا اللہ تفلحوا"

"کہدو کہ خدائے یکتا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، تاکہ تم فلاح وسعادت پاسکو۔"[1]

اسلام نے توحید کے ذریعے تفرقہ واختلاف اور بغض وعناد کا خاتمہ کیااور قومی تعصّبات، بت پرستی، خود غرضی اور موقع پرستی جیسے برے صفات کا ازالہ کرتے ہوئے توحید پرستی کی بنیادوں پر اخوت ومساوات کا نظام قائم کیا۔[2]

۲۔ مساوات کا اصول اور نسبی برتری کی تنسیخ

توحید کے بعد اسلام نے مساوات و برابری کے ذریعے جاہلی اصول پر مبنی تمام امتیازات کو منسوخ کردیا جن میں نہ صرف عرب معاشرہ بلکہ اس دور کے تمام معاشرے جکڑے ہوئے تھے۔

---

[1] نہج الفصاحہ

[2] اندیشہ ہائے سیاسی در اسلام وایران، ڈاکٹر عسکر حقوقی، ص ۴۸

نیز قومی اور نسلی برتری کے غلط تصور پر خط بطلان کھینچ دیا جو زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے ذہنوں میں جاگزیں ہو چکا تھا۔

چنانچہ (حضور اکرم (ص) نے) حجۃ الوداع کے خطبے میں تمام مسلمانوں کی اخوت و برادری پر زور دیا۔[1]

اسلام غلط قبائلی روایات، قومیت کی بنیاد پر فخر و مباہات، مروجہ پست آداب و سوم اور دولت، قبائلی وابستگی، زبان، نسل ورنگ وغیرہ کی بنیادوں پر امتیازی سلوک، نیز استعمار و استحصال کے ہولناک تسلّط کی نفی کرتا ہے، اگرچہ نظام تخلیق، مادی پہلوؤں اور روحانی صلاحیتوں کے اعتبار سے انسانوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔

اسلام کی نظر میں مذکورہ باتیں امتیازی سلوک پر مبنی اور مساوات کی منافی ہیں، لہٰذا تمام انسانوں کو حقوق وفرائض کے لحاظ سے برابر سمجھتا ہے۔

---

[1] سیرۃ الرسول ﷺ، ابن ہشام، ص ۹۶۹

اسی طرح اسلام نے مندرجہ ذیل معاملات میں لوگوں کے درمیان مساوات کا کھل کر اعلان کیا:

الف) انسانیت

ب) حقوق وفرائض

ج) عدل وانصاف اور قوانین کا نفاذ[۱]

پیغمبر اسلام ﷺ نے اس تصوّر کو غلط قرار دیا کہ لوگوں کا ایک گروہ "خدا کے اعلی درجے" سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک گروہ کا تعلق "خدا کے ادنی درجے" سے ہے۔

آپؐ نے صراحت کے ساتھ فرمایا:

اے لوگو اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی ماں باپ سے خلق کیا اور اس کے بعد اگلی نسلوں کو پیدا کیا۔"

اسلام رنگ و نسل، زبان ، دولت، پیشے اور سیاسی ومذہبی نظریات کی بنا پر انسانوں کے درمیان فرق کو جن میں سے بعض

[۱] اسلام و حقوق بشر، زین العابدین قربانی، ص ۱۳۹

طبیعی عوامل اور ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، نسلی امتیاز اور طبقاتی اختلاف کے بنیادی عناصر نہیں سمجھتا۔

بلکہ یہ فرق اوّلا: پروردگار قادر متعال کی شناخت کے لئے ہیں، چنانچہ ارشاد ربّ العزّت ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَ أَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ﴾

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف بھی ہے کہ اس میں صاحبان علم کے لئے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"[1]

ثانیاً: یہ فرق انسانوں کی آپسی شناخت کے لئے ہیں، اس بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

---

[1] سورۂ روم، آیت ۲۲

"انسانوں ہم نے تم کو ایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"[1]

اس طرح اسلام نے نسل پرستی اور طبقاتی اختلاف کے ساتھ مقابلہ کیا جو انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی کا منشاء ہے۔

اسلام کا یہ پیغام کسی خاص قوم یا نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے عقیدہ ومذہب کے پیروؤں اور ہر زمانے کے انسانوں کے لئے ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی حیات طیّبہ کے آخری ایام میں، حجۃ الوداع سے واپسی پر، مسلمانوں کے جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۳

"اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو، آدم بھی مٹی سے بنے تھے اور تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کسی قسم کی برتری نہیں ہے، فضیلت اور فخر صرف شائستگی اور تقوی کی بنیاد پر ہیں۔[1]

اور اس طرح اسلام نے ہر قسم کے نسلی امتیاز اور طبقاتی اختلاف کو منسوخ کر دیا اور اسلامی معاشرے میں مساوات اور بھائی چارے کی روح پھونک دی۔

اس طریقے سے "انسانی مساوات کے منشور" کا اعلان کیا گیا۔

انسان کے بنیادی حقوق جس کا مطالبہ اس وقت کرۂ ارض کے رہنے والوں کی طرف سے کیا جاتا ہے، چودہ سو برس پہلے رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اسلامی تعلیمات میں اعلان کئے گئے۔

واضح رہے کہ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کی بات کی، بلکہ اس سے قبل کلام وحی میں جس کو

---

[1] اسلام و حقوق بشر، زین الدین قربانی، ص ۱۴۴، البیان والتبیین، ج ۲، ص ۳۹

انسانوں تک پہنچانے کی ذمے داری آپؐ پر عائد ہوتی تھی وضاحت کے ساتھ انسانی حقوق بیان کئے گئے ہیں۔[1]

پیغمبر اسلام ﷺ نے نہ صرف اپنے خطبوں میں زور دیا ہے، بلکہ اپنی سیرت میں بھی نسلی امتیاز اور طبقاتی اختلافات ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں، ان میں پیغمبر ﷺ کی پھوپھی زاد بہن زینب اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید کی شادی اور زید اور (ان کے بیٹے) اسامہ کو رومیوں کے ساتھ جنگ میں فوج کے سپہسالار کی حیثیت سے تقرّری، اسلام کے مبلغ کے عنوان سے سیاہ فام بلال کا انتخاب اور اسی طرح کے سیکڑوں عملی نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

نیز پیغمبر اسلام ﷺ نے سلمان فارسی کو (جو ایران کے رہنے والے تھے، اپنے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے قبول فرماکر

---

[1] Human Rights in Islamic Law, p. 33

جغرافیائی محل رہائش کی تفریق، نسلی امتیاز اور قبائلی اختلاف کو عملا منسوخ کر دیا۔"[1]

اسی طرح اسلام نے مال و دولت، زندگی کی (اجتماعی) حیثیت اور تونگری اور امارت کی بنیادوں پر دکھاوے اور فخر و مباہات کی نفی کرتے ہوئے اعلان کیا ہے:

﴿وَ قَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَ أَوْلَادًا وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْدِرُ وَ لَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ وَ مَا أَمْوَالُكُمْ وَ لَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾

"اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اموال اور اولاد کے اعتبار سے تم سے بہتر ہیں اور ہم پر عذاب ہونے والا نہیں ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار، جس کے رزق میں چاہے کمی یا زیادتی کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں اور تمہارے اموال و اولاد میں کوئی

---

[1] گزشتہ حوالہ، ص ۳۵

ایسا نہیں ہے جو تمہیں ہماری بارگاہ میں قریب بنا سکے علاوہ ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے۔"[1]

اسلام نے نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات کو منسوخ کرتے ہوئے امت مسلمہ کے اتحاد کے اصول وضع کئے، رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح ہیں۔"[2]

۳۔ ایمان و تقوی کی بنیادوں پر فضیلت

ایمان و اعتقاد انسان کے تکامل و سعادت کے اہم عناصر میں شامل ہیں، لہٰذا صرف ایسے دین پر ایمان لانا انسانوں کی ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا معیار قرار پاتا ہے جو قومیت، جبر و طاقت، رنگ و نسل اور حسب و نسب کی بنیاد پر برتری کو غلط قرار

---

[1] سورۂ سبا، آیات ۳۵۔۳۷

[2] آثار الصادقین، احسان بخش، ج ۴، ص ۴۳۶، سیری در سیرۂ نبویؐ، شہید مطہری، ص ۲۸۸

دے اور انسانوں کو اخوت ومساوات کی دعوت دے، عدل وانصاف کو فروغ دے اور قائم کرے، ظلم وستم اور فساد کو مٹا دے اور انسانوں کو جہل ونادانی اور خرافات کی ظلمتوں سے نجات دلا کر، روشنی اور سعادت کے اجالوں کی طرف رہنمائی کرے۔

اسلام ایسا دین ہے جس میں برتری کا معیار صرف ذاتی شائستگی اور کردار ہے۔

قرآن مجید نے جو اسلامی قوانین کا اہم ترین ماخذ ہے اس سلسلے میں حکم دیا ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

"بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔"[1]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

"برتری کا معیار اور علامت صرف نیک اعمال ہیں، دولت، حسب ونسب یا زندگی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"[1]

---

[1] سورۂ حجرات، آیت ۱۳

اسلام نے ایمان کو توحید و یکتا پرستی اور مساوات و برابری کی بنیادوں پر استوار کیا اور مومنوں کو بت پرستی و بدکاری اور ظلم و ستم سے احتراز کرنے کا حکم دیا۔

مؤمنین نے ایمان کے بل بوتے پر کفّار اور ظالموں کے خلاف استقامت و پائیداری اور شدّت کے ساتھ علم بغاوت بلند کیا، بتوں کو توڑ دیا اور خرافات کو ختم کیا اور وہ یکسوئی کے ساتھ آزادی و حریت، صداقت اور اخوت و مساوات کے علمبردار پیغمبر اسلام ﷺ کے دلدادہ ہو گئے جن کا نام توریت و انجیل میں آیا ہے۔

اور پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث اشیا کو حرام قرار دیا اور جاہلیت کی زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا جن میں ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔[2]

---

[1] Human Rights in Islamic Law, p. 34

[2] سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷

انسانوں کے درمیان ایمان کو فضیلت وبرتری کا معیار قرار دیئے جانے کی ایک وجہ معاشرے کے افراد کے درمیان وحدت و یگانگت میں اس کا اہم کردار ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا...﴾

"اور سب، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی، تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے..."[1]

اسلام کی نظر میں "مؤمن نفع کا باعث ہے، اگر تم اس کا ساتھ دو گے تو وہ تمہارے کام آئے گا اور اس کے شریک ہو جاؤ گے تو وہ

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳

تجھے فائدہ دے گا اور اس کے تمام اعمال نفع وفائدے کا باعث ہیں۔"[1]

پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں:

"مؤمن خوش خلق اور نرم خو ہے۔"[2]

"مؤمن کم حاجت ہے۔"[3]

"مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان ومال پر امین سمجھیں۔"[4]

"مؤمن دوسرے مؤمنین کے غم واندوہ سے مغموم ہوتا ہے، ایسے بدن کی مانند جس کو سر کے درد سے تکلیف پہنچتی ہے۔"[5]

"مؤمن شریف اور با کرامت ہوتا ہے جب کہ فاجر، دھوکے باز اور فرومایہ ہوتا ہے۔"[6]

---

[1] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۰۹۸

[2] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۰۹۷

[3] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۰۹۰

[4] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۰۸۵

[5] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۱۰۶

[6] نہج الفصاحہ، حدیث نمبر ۳۰۸۷

مؤمن کے انہیں نیک صفات کی بنیاد پر اسلام نے "ایمان" کوانسانوں کے درمیان فضیلت کی بنیاد اور معیار قرار دیا ہے۔

ایمان اور گناہوں و بدکاریوں سے اجتناب انسان کو تقوی اور فضائل کے اعلی مقامات تک پہنچاتا ہے، چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۲۶ میں ارشاد ہوا ہے:

"اور تقوی کا لباس سب سے بہتر ہے۔"

اس آیت کی رو سے تقوی کا لباس انسانوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے:

"یہ دار آخرت وہ ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے قرار دیتے ہیں جو زمین میں بلندی اور فساد کے طلبگار نہیں ہوتے ہیں اور عاقبت تو صرف صاحبان تقوی کے لئے ہے۔"[1]

[1] سورۂ قصص، آیت ۸۳

۴۔ اتحاد امت

اسلام کی اجتماعی سیاست کا ایک بنیادی اصول "امت واحدہ" کی تشکیل ہے۔

یہ اصول، اسلام میں اجتماع کی بنیاد ہے، اس اصول کی بنیاد پر مسلمان افراد، نسل، چمڑے کے رنگ، قومیت اور معاشی حیثیت سے ہٹ کر دینی اور نظریاتی بنیادوں پر اسلام کی سیاسی جماعت یعنی "وحدت امت مسلمہ" کے اراکین شمار ہوتے ہیں۔

اس سیاسی جماعت کی تشکیل میں امتیازی عناصر جیسے قومیت، حسب ونسب، نسل اور دولت کو کسی قسم کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَ أَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾

"بے شک تمہارا یہ دین ایک ہی دین (اسلام) ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔"[1]

اسلامی "امت واحدہ" قائم کرنے کے بنیادی مقاصد میں انسان کے تکامل و سعادت کے روحانی پہلوؤں کے علاوہ انسان کے مادی تقاضوں کو پورا کرنا بھی شامل ہے (جن میں ذرائع روزگار کے حصول، معاشرتی فلاح و بہبود اور اسلامی معاشرے میں امن وامان اور آرام وسکون کے مواقع کی فراہمی کے لئے افراد امت کے درمیان یک سوئی اور اجتماعی جد وجہد قابل ذکر ہیں۔)

دوسرے الفاظ میں اسلام کی دینی سیاست میں انسانی زندگی کے (دنیوی زندگی اور روحانی واخروی حیات کے) دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

اسلام انسانی زندگی کو با مقصد جانتے ہوئے، انسان کی مادی ترقی اور روحانی تکامل کی طرف ہدایت کرتا اور ترغیب دیتا ہے۔[2]

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۹۲
[2] تاریخ اندیشہ های سیاسی در اسلام و ایران

دین اسلام اس طرح کی پائیدار اور نا قابل تغییر حکمت عملی و منطق کے ساتھ "اسلامی امت واحدہ" کے قیام اور اس کی بنیادوں کو مستحکم کرتے ہوئے اسلام کی سیاسی جماعت کا نظریہ پیش کرتا ہے۔

یہ امت، اپنے ایمان اور دل کو لبھا دینے والی کشش کے ساتھ متحد اور نا قابل تسخیر ہے۔

امت مسلمہ وہ معاشرہ ہے جس کے افراد قانونی، سیاسی اور مذہبی بنیادوں پر مشترکہ ایمان اور عقیدے کے حامل ہیں اور ان کے درمیان ضابطۂ حیات کے طور پر قرآنی قوانین اور احکام الٰہی نافذ ہیں۔

یہ معاشرہ "دار العدل" (انصاف کا گھر) کہلاتا ہے، قرآن مجید مثالی امت کو ان الفاظ کے ساتھ متعارف کراتا ہے:

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے، تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"[1]

لہٰذا اسلامی معاشرے میں ایک متحد و منظّم امت پر مکمل مساوات کے ساتھ، طبقاتی امتیازات کے بغیر، الٰہی حکومت قائم ہوتی ہے۔

اس قسم کی حکومت کا مکمل نمونہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں قائم اور نافذ ہوا۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ یکساں عقائد، شریعت و قوانین اور مسلمانوں کے درمیان موجود مشترکہ اصول کی وجہ سے، اسلام کی سیاسی جماعت جس کو "امت واحدہ" کا عنوان دیا گیا ہے کسی خاص جغرافیائی حدود، قومیت یا اس قسم کی دیگر حدود و قیود کی پابند نہیں ہوتی ہے۔

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰

یہاں تک کہ جو لوگ "دار الاسلام" سے ہجرت کر کے کسی اور ملک یا علاقے میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں، وہ بھی اس امت واحدہ کی رکنیت سے مستثنیٰ نہیں ہوتے، بلکہ ان کو اسلامی امت واحدہ کے افراد کی حیثیت حاصل رہتی ہے۔[1]

امت واحدہ ایک معتدل معاشرہ ہے جو دوسری ملتوں کے لئے نمونے کی حیثیت سے ان پر گواہ ہوتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَ كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾

"اور اسی (تحویل قبلہ کی) طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تاکہ تم، لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو۔"[2]

قرآن نے مختلف سوروں اور آیتوں میں "امت واحدہ" کی خصوصیات بیان کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ امت مسلمہ کو

---

[1] نظام الحکم والادارۃ فی الاسلام، محمد مہدی شمس الدین، ص ۳۹۱-۳۹۲

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳

خیر و نیکی کی طرف دعوت دینے والی امت کے عنوان سے متعارف کرایا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

"اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے اور نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے۔"[۱]

اسلامی ممالک کے اتحاد اور وحدت امت مسلمہ کے قیام کے اجتماعی نتائج اور معروضی اثرات کے طور پر مختلف ممالک کے مسلمانوں کے درمیان قربت کے علاوہ مسلم حکومتوں کو چاہئے کہ آپس کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلّقات کے فروغ کو اپنی ترجیحات میں شامل کریں اور وحدت امت مسلمہ کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی کوششیں بروئے کار لائیں۔[۲]

---

[۱] سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۴

[۲] حقوق اساسی و نهادهای سیاسی، جلال الدین مدنی، ص ۵۹

۵۔ معاشرے میں دولت اور سہولیات میں توازن کا قیام

اسلام کے خلاف مذموم مقاصد رکھنے والوں اور جاہلوں کے ناجائز الزامات کے برخلاف اسلامی شریعت کے اجتماعی اور اقتصادی اصول، اسلامی معاشرے سے غربت وافلاس، اور اقتصادی طبقہ بندی کے خاتمے اور معاشرے کے افراد کی غریب وامیر میں تقسیم اور غریبوں پر امیروں کے تسلّط کی نفی پر استوار ہیں۔

اسلام غربت کے پھیلاؤ کو فساد اور انسانوں کی نابودی اور معاشرے میں کفر اور بے دینی کا پیش خیمہ سمجھتے ہوئے اس سے مقابلہ کرتا ہے، قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَ فَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

"اور شیطان تم سے فقیری کا وعدہ کرتا ہے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے اور خدا مغفرت اور فضل واحسان کا وعدہ کرتا ہے، خدا صاحب وسعت بھی ہے اور علیم ودانا بھی۔"[1]

رسول اکرم ﷺ نے بھی غربت کے برے نتائج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"کاد الفقر ان یکون کفراً"

"نزدیک ہے کہ غربت، کفر وبے ایمانی کا باعث بنے۔"[2]

تاہم اسلام نے قانونی اور صحیح طریقے سے دوسروں کے حقوق پر تجاوز کئے بغیر مال کے حصول پر زور دیتے ہوئے معاشرے کے افراد کو قانونی اور جائز طریقے سے دولت جمع کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد ربّ العزّت ہے:

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۸

[2] اندیشہ ھای سیاسی در اسلام وایران، ص ۴۷

﴿وَ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

"اور خبردار ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھانا اور نہ حکام کے حوالہ کردینا کہ رشوت دے کر حرام طریقے سے لوگوں کے اموال کو کھاجاؤ جب کہ تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا مال نہیں ہے۔"[1]

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر مؤمنین کو مخاطب قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۸

"اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقے سے نہ کھا جایا کرو، مگر یہ کہ باہمی رضایت سے معاملت ہو۔"[1]

اسلام نے اسلامی معاشرے سے غربت وافلاس کے خاتمے کے لئے انفاق، احسان، خمس، زکات، مال کے ذریعے جہاد، خراج، جزیہ اور کفّارات کی طرح کے نظام وضع کئے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک نظام، معاشرے سے غربت کے خاتمے میں مؤثر کردار کا حامل ہے۔

اسلامی معاشرے میں انفاق پر مکرّر طور پر زور دے کر تمام مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

خداوند متعال نے دوسروں کو انفاق کرنے کا ثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۲۹

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

"جو لوگ راہ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانے کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ بھی کر دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی۔"[1]

اللہ تعالی لوگوں کو احسان کا حکم دیتا ہے اوان سے عہد و پیمان لیتا ہے کہ وہ ماں باپ، رشتے داروں، یتیموں، نادار لوگوں، غریب الوطن ضرورتمند مسافروں، غریبوں اور قیدیوں کے ساتھ نیکی کرنے اور مالی امداد دینے سے دریغ نہ کریں، ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۱

وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَ آتَى الزَّكَاةَ﴾

"نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا رخ مشرق مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی اس شخص کا حصہ ہے جو اللہ اور آخرت اور ملائکہ اور انبیاء پر ایمان لے آئے اور محبّت خدا میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، غربت زدہ مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لئے مال دے اور نماز قائم کرے اور زکات ادا کرے۔"[1]

خمس کا مالی نظام، دین اسلام کے واجبات میں شمار ہوتا ہے، چنانچہ مسلمان کو چاہئے اپنے سالانہ خرچے سے بچنے والے مال کا ایک پانچواں حصہ اسلامی حاکم کو دے تا کہ رفاہی امور (جیسے غریبوں، یتیموں، غریب سادات اور غربت زدہ مسافروں وغیرہ کی امداد) میں خرچ کیا جاسکے۔

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۷

اس طرح امیروں کے مال کا کچھ حصہ ناداروں کو منتقل کر کے اسلامی معاشرے سے غربت وافلاس کے خاتمے میں مدد مل سکے گی۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کا حکم یہ ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾

"اور یہ جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رسول کے قرابتدار، ایتام، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لئے ہے۔"[۱]

اسی طرح مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے مال (میں سے اونٹ، گائیں، گوسفند، سونے، چاندی اور غلات وغیرہ) کا ایک مقرّرہ حصہ سالانہ زکات کے طور پر حاکم اسلامی کے سپرد کردے تا کہ حکومت کے ذریعے فلاح عامہ کے امور مثلاً غریبوں اور غربت زدہ افراد کی امداد، قید وبند میں جکڑے ہوئے افراد کی رہائی، قرض

---

[۱] سورۂ انفال، آیت ۴۱

داروں کے قرض کی ادائیگی اور حتی کہ غیر مسلم ناداروں کی مدد کے لئے استعمال کی جاسکے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ﴾

"اور وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکات ادا کی۔"[1]

اسلام میں خمس، زکات، صدقہ، انفال وغیرہ کو فریضہ کے طور پر ادا کرنے کی ترغیب معاشرے سے غربت کے خاتمے کے علاوہ، لوگوں کے درمیان معاشی طبقاتی اختلاف میں کمی، معاشرے کے افراد کے درمیان یکجہتی واتحاد کے قیام اور غربت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل کا سبب بنتی ہے۔

---

[1] سورۂ حج، آیت ۴۱

اسلام میں معاشرے سے غربت کے خاتمے کو اس حد تک اہمیت دی گئی ہے کہ ناداروں کو امیروں کے مال میں حصہ دار قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾

"اور جن کے اموال میں ایک مقرّرہ حق معیّن ہے☆ مانگنے والوں کے لئے اور نہ مانگنے والوں کے لئے۔"[1]

حضور اکرم ﷺ کے جانشین بر حق، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خداوند عالم نے مالداروں کے اموال میں غریبوں کا رزق قرار دیا ہے، لہٰذا جب بھی کوئی فقیر بھوکا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ توانگر نے دولت کو سمیٹ لیا ہے اور پروردگار روز قیامت اس کا سوال ضرور کرنے والا ہے۔"[2]

---

[1] سورۂ معارج، آیات ۲۴و۲۵

[2] نہج البلاغہ، حکیمانہ کلمات، ۳۲۸

صدر اسلام میں زمینوں سے خراج کے نام پر ٹیکس لیا جاتا تھا، جو در حقیقت بڑے زمینداروں کی فصلوں کی قیمت یا محصول تھا۔

خراج پیداواری سر گرمیوں کے لئے مالی امداد کے ضرور تمند لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا تھا جن میں کسان، مزدور اور دوسرے افراد شامل ہیں۔

جزیہ بھی ایک قسم کا ٹیکس ہے جو ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہ ٹیکس ان پر اس لئے لاگو کیا جاتا ہے کہ ان کی جان ومال، حیثیت و عزت اسلامی حکومت کی امان میں محفوظ رہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی معاشرے میں زندگی بسر کر سکیں اور ان کو اسلامی حکومت کی پناہ حاصل ہو۔

جزیہ کی مقدار مال کی اس مقدار سے بہت کم ہے جو مسلمانوں کو زکات اور خمس کے طور پر اسلامی حکومت کو ادا کرنا پڑتا ہے۔[1]

[1] تاریخ اندیشہ ھای سیاسی در اسلام و ایران، ص ۸۲

اسلامی شریعت میں حتی کہ بعض ایسے گناہوں کے ارتکاب کی صورت میں "کفّارہ" کے طور پر جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق عام افراد سے نہ ہوں اور دوسروں کے حقوق کی پامالی محسوب نہ ہوں۔

کفّارہ غریبوں اور ضرورتمندوں کی امداد یا ناداروں کو کھانا کھلانے اور قیدیوں کو رہائی دلانے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَ لَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ---﴾

" خدا تم سے بے مقصد قسمیں کھانے پر مؤاخذہ نہیں کرتا ہے لیکن جن قسموں کی گرہ دل نے باندھ لی ہے، ان کی مخالفت کا

کفّارہ دس مسکینوں کے لئے اوسط درجے کا کھانا ہے جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کی آزادی ہے۔۔۔"[۱]

اسلام نے اس طرح کے مناسب مالی نظام اور بیت المال کے نام پر ایک ادارے کی تجویز دیتے The State Exchaquer ہوئے ضرورتمند انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے واجب قرار دیا،) کو(Charity tax مختلف ذرائع کا اہتمام کیا اور زکات

تاکہ دولت کو امیروں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کرکے معاشرے کے افراد کے درمیان مساوات، بھائی چارے، امداد باہمی اور اقتصادی تعاون کے ذریعے ضرورتمندوں کی زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔

حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو ضرورتمندوں کی مدد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

---

[۱] سورۂ مائدہ، آیت ۸۹

"تم میں سے کسی کے لئے روا نہیں ہے کہ رات کو شکم سیر ہو کر بستر پر لیٹے، جب کہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔"[۱]

اسی طرح یتیموں کی سرپرستی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا ہے:

"میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کی سرپرستی قبول کرلیتا ہے ایک ساتھ بہشت میں ہوں گے۔"[۲]

مجموعی طور پر اسلام میں مختلف مالیاتی نظاموں کی تشکیل، دولتمندوں کی بھرپور دولت کے کچھ حصے کو ان سے حاصل کر کے غریبوں اور معاشرے کے کمزور طبقات اور عوامی مفاد کے امور میں خرچ کرنے، نیز معاشرے میں مالی توازن اور اجتماعی انصاف قائم کرنے کے لئے ہے۔[۳]

---

۱ Human Rights in Islamic Law, p. 40

۲ نظام مالی در سیستم اقتصادی اسلام، محمد مہدی آصفی، ص ۳۸، ۳۹

۳ آثار الصادقین، احسان بخش، ج ۳، ص ۵۸، حدیث ۱۴، ۱۵

۶۔انسانی جان کی حرمت

اسلام کی نظر میں انسانوں کی جان کا تحفظ اور انسانی حیات کی حفاظت اہم ترین معاملہ ہے، جس پر خاص توجہ کے ساتھ زور دیا گیاہے۔

اسلام کے قانونی مآخذ میں بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ بغیر کسی شرعی اور قانونی جواز کے کسی کی جان لینا تمام انسانوں کے قتل کے مترادف ہے، چنانچہ خداوند عالم نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾

"جو شخص کسی نفس کو کسی نفس کے بدلے یا روئے زمین میں فساد کی سزا کے علاوہ قتل کر ڈالے گا اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔"[1]

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۳۲

یہ اصول، معاشرے میں انسان کی اپنی جان اور دوسرے لوگوں کی جانوں کے تحفظ اور خودکشی، خودکش حملے اور اپنے جسم وجان کو نقصان پہنچانے کی ممانعت، نیز جاہلیت کی رسوم (مثلا لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے یا غربت اور بھوک کے ڈر سے اپنی اولاد کے قتل) کی ممانعت پر مشتمل ہے۔

انسانی جان کی حرمت کا اصول، صرف معاشرے کے افراد کی جسمانی اور مادی زندگی کے تحفظ پر منحصر نہیں ہے، بلکہ ان کی روحانی و فکری حیات کی حفاظت بھی اس میں شامل ہے اور ان رکاوٹوں پر بھی محیط ہے جو لوگوں کی روحانی زندگی کے خاتمے کا باعث بنتی ہیں۔

اسلام کے نقطۂ نگاہ سے انسان کے حق زندگی اور انسانی جان کی حرمت کے سلسلے میں ہم دوسرے مقالے میں گفتگو کریں گے۔

۷۔بنیادی آزادیاں

اسلامی شریعت انسان کو عقل و فکر کی صلاحیت سے بہرہ مند ہونے کی وجہ سے، دوسری مخلوقات سے برتری اور خاص قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اسی لئے اس کو غور وتدبّر اور اپنی عقل و فکر کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیتی اور اس کو تلقین کرتی ہے کہ اپنے نظریات کو تفکّر و تحقیق کی بنیادوں پر استوار کرے۔

اسلام نہ صرف انسانوں کو اپنے عقائد و نظریات کے اظہار کی اجازت دیتا ہے، بلکہ خداوند عالم اپنے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب قرار دے کر فرماتا ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَ أُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

"میرے بندوں کو بشارت دیجئے ☆ جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں

جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔"[1]

آزادیٔ تحریر و آزادی اظہار اور نظریاتی و عقیدتی آزادیوں کا احترام دین اسلام کی خصوصیات میں شمار ہوتا ہے، جس کے بارے میں ہم دوسرے مقالے میں گفتگو کریں گے۔

تاہم مذکورہ آزادیوں کے بارے میں اسلامی شریعت اور مغرب کے نقطہ ہائے نگاہ میں فرق یہ ہے کہ:

اسلام میں مذکورہ آزادیوں کا دائرۂ کار اس حد تک ہے کہ لوگ بدنیتی اور دوسروں کے افکار کو نقصان پہنچانے یا ان کو گمراہ کرنے کی غرض سے کوئی اقدام نہ کریں اور اپنے قلم اور زبان کو معاشرے کی تعمیر کے لئے استعمال کریں، نیز یہ عمل بدنیتی پر مبنی نہ ہو۔

---

[1] سورۂ زمر، آیات ۱۷، ۱۸

اسی نقطۂ نگاہ کے تحت خدا، ذریعۂ اظہار اور علم و عقیدے کے نمونوں کی حیثیت سے "قلم" اور "تحریر" کی قسم کھاتا ہے، ارشاد ربّ العزّت ہے:

﴿ن ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾

"ن، قلم اور اس چیز کی قسم جو یہ لکھ رہے ہیں۔"[1]

اسلام میں بنیادی آزادیوں کا اصول، آزادی عقیدہ، آزادی اظہار، جائز اجتماعات میں شرکت و رکنیت، آزادی رائے اور پریس کی آزادی پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ، دینی اقلیتوں کے ساتھ سلوک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اسلام دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری و احترام کے ساتھ پیش آنے پر تاکید کرتا ہے، سوائے ان لوگوں کے جو مسلمانوں کے ساتھ تعلقات میں ظلم و ستم روا رکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] سورۂ قلم، آیت ١

﴿وَ لَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾

"اور اہل کتاب کے ساتھ مناظرہ نہ کرو مگر اس انداز سے جو بہترین انداز ہے، علاوہ ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔"[1]

۸۔ حاکمیت مطلقہ الہی

اسلام کا نظریۂ حکومت، حاکمیت مطلقہ الہی کی بنیادوں پر استوار ہے، جس میں انسانوں کو اپنے مقدر کے فیصلے کا حق دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں الہی اقدار پر مبنی ایک عوامی حکومت وجود میں آتی ہے۔

اس نظریئے نے نظریۂ حکومت کو ایک خاص مفہوم عطا کیا ہے۔

[1] سورۂ عنکبوت، آیت ۴۶

اسلام میں طاقت کا سر چشمہ اللہ تعالی ہے اور حکومت خدا کا حق ہے، چنانچہ ارشاد ربّ العزّت ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾

"جب کہ حکم کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے۔"[۱]

دوسری جانب انسان، روئے زمین پر خدا کا خلیفہ اور جانشین ہوتا ہے، خدا نے انسان کی جانشینی کے مسئلے کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾

"اے رسول! اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔"[۲]

---

[۱] سورۂ یوسف، آیت ۴۰

[۲] سورۂ بقرہ، آیت ۳۰

اللہ نے انسان کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اپنے مقدّر کا فیصلہ خود کرے، لہٰذا وہ الٰہی حاکمیت کے سائے میں اپنے مقدّرات کے تعیّن کے لئے حکومت قائم کر سکتا ہے۔

اسی بناپر حکومت، عوام کی سیاسی رائے کا مظہر ہوتی ہے اور حکومت کی بنیاد عوامی اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے، لہٰذا قوم کو چاہئے کہ حاکمیت الٰہی اور دینی احکام و قوانین کے مطابق عمل کرے اور اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کو بھی (حکومت کو عوام کی امانت سمجھ کر) عوام کے نقیب کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔

اسلام کی نظر میں حکومت، اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور حکومت کا مقصد بھی الٰہی ہونا چاہئے، تاہم سرکاری احکامات کا نفاذ عوام کے ذریعے ہوتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اسلام کے سیاسی حکومتی نظام میں، بنیادی آئین، الٰہی اصول کے مطابق ہوتا ہے، لیکن آئین پر عمل درآمد

مختلف شرائط کے تحت امت مسلمہ کے مفادات کے مطابق ہوتا ہے۔[1]

اسلام کی نظر میں حکومت، الہی ہے اور اس کے مقاصد بھی الٰہی ہیں مگر یہ عوام کے ذریعے نافذ ہوتی ہے۔

لہٰذا عوامی اقتدار اعلی اور حاکمیت الہی میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے کہ حاکمیت الہی، انسانی حاکمیت کی طرح نہیں ہے، الہی حاکمیت حقیقی ہوتی ہے اور انسانی حاکمیت، عارضی ہوتی ہے۔

اور اقتدار کی یہ دو قسمیں ایک دوسرے کے مدّ مقابل اور منافی نہیں ہیں۔

اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ: ہر طاقت کا سر چشمہ اس سے برتر ایک طاقت ہوتی ہے، لہٰذا اقتدار اعلی کا منشا بھی انسانی ارادے سے بالاتر ایک طاقت ہے۔

---

[1] اسلام و حقوق طبیعی انسان، الہامی، ص ۵۶

اقتدار کا ظاہری ڈھانچہ وقت اور مقام کے مطابق قائم اور ملّت کے ارادے کا تابع ہوتا ہے، اس کی رو سے حکومت کا نظام عوامی ارادے کا نتیجہ اور انسان کی پیداوار ہوتا ہے۔

دوسری جانب حاکمیت الٰہی، حکومت اور عوام کے لئے ایک ڈھال کی حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ دنیا میں موجود تمام سیاسی نظاموں میں حکومت کو اقتدار کی ہوس میں ہٹ دھرمی اور زیادہ روی سے روکنے، نیز جمہوریت کی آمریت میں تبدیل ہونے کے سدّ باب کے لئے ابتدا سے ہی کچھ قیود و قدغن مقرّر کی جاتیں اور بین الاقوامی سطح پر قوانین وضع کئے جاتے ہیں (جن میں انسانی حقوق کا منشور، متعدد عالمی معاہدے، اعلامئے اور کنونشنز قابل ذکر ہیں۔)

ڈیموکریسی کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عوامی حاکمیت کبھی حدود و قیود سے مستثنیٰ نہیں رہی ہے۔

اسلامی نظام میں اقتدار اعلیٰ ایک الٰہی امانت ہے جو عوام کے ہاتھوں ودیعت کی گئی ہے۔

لہٰذا اس کا نفاذ بغیر قید و شرط کے ممکن نہیں ہے، اور جو حکومت عوامی آرا سے بر سر اقتدار آتی ہے، اس کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ الٰہی احکام اور فطرت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرے۔

چنانچہ تیرہویں صدی عیسوی کے مفکر "سن تھامس" نے واضح الفاظ میں کہا ہے:

"جو حکومت، الٰہی قوانین کے خلاف قوانین وضع کرتی ہے، قوم کے افراد کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے خلاف مزاحمت کریں۔"[1]

اسلامی حکومت میں ظاہری حاکم، حقیقی حاکم "اللہ" کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اس پر فرض ہے کہ الٰہی قوانین کے دائرے میں رہے۔

اس صورت میں اس کی اطاعت، خدا کی اطاعت کے مترادف اور سب پر لازم ہے، دوسری صورت میں نہ صرف ایسی حکومت کی

---

[1] مجلّہ اندیشہ اسلامی، شمارہ ۴، ۵، ڈاکٹر ناصر کاتوزیان کا مقالہ۔

پیروی لوگوں پر فرض نہیں ہے، بلکہ اسلامی معاشرے کے افراد پر لازم ہے کہ آمر و جابر حاکم کے ساتھ مقابلہ کریں۔

لہٰذا حاکمیت الٰہی، حکام کی ہٹ دھرمی اور سرکشی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔[1]

اسلام، حکومت کو الٰہی اور اس کے مقاصد کو بھی الٰہی قرار دیتا ہے جو خدا کی طرف سے اپنے مقدّر کے فیصلے کے لئے انسان کو دی گئی امانت کے طور پر، عوام کے ذریعے نافذ کی جاتی ہے۔

اس تعریف کی رو سے حاکمیت مطلقۂ الٰہی کا مفہوم یہ بالکل نہیں ہے کہ روئے زمین پر کسی قسم کی حکومت قائم نہیں کی جانی چاہئے، بلکہ حاکمیت الٰہی ایک خاص ڈھانچے کے تحت خود انسانوں کے ذریعے قائم اور نافذ کی جاتی ہے۔

اور جس طرح الٰہی مالکیت، انسانی ملکیت کے منافی نہیں ہے، اللہ کی حاکمیت بھی، انسانوں کے اقتدار اعلی کے منافی نہیں ہے، بلکہ اللہ کی حاکمیت، عوامی حکومت کا سرچشمہ شمار ہوتی ہے۔

---

[1] اسلام و حقوق طبیعی انسان، ص۵۸

لہٰذا حکومت، اللہ کی امانت ہے جس کو انسانوں کے ہاتھ میں ودیعت کی گئی ہے، تا کہ وہ اس کی بنیادوں پر اپنے مقدّر کا فیصلہ کر سکیں۔

اسلام کے نظریۂ حکومت میں، عام اقتدار کا تعلّق عوام سے ہے جو عوام کی طرف سے امانت کے طور پر حکومت کے سپرد کی جاتی ہے۔

لہٰذا اس کو حاکم کی ملکیت کے بجائے ایک الہی، عوامی امانت سمجھنا چاہئے، چنانچہ اقتدار پر قبضے کا تصوّر ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔[1]

۹۔ عوامی شراکت

اسلام کے اہم ترین معاشرتی اصولوں میں سے ایک، اپنے مقدّر کے فیصلے میں افراد کی حصہ داری، صحیح اور فطری معنوں میں ڈیموکریسی کے قیام اور انتخاب کی آزادی کا شمول ہے۔

[1] فلسفہ سیاسی اسلام، ڈاکٹر عسکر حقوقی، ص ۸۰

اسلامی معاشرے میں عام لوگوں کی شراکت کا معاملہ انسان کے مقام و منزلت اور اس کی عقل و بالغ نظری کے احترام کی علامت ہے۔

اس حقیقت کی بھرپور تجلی حضور اکرم ﷺ کے نام خدا کے اس حکم میں نظر آتی ہے جس میں خدا نے آپؐ سے فرمایا ہے کہ اپنے اصحاب کے ساتھ مشورہ اور تبادلۂ خیال کرنے کے بعد متفقہ صحیح فیصلے پر عمل کریں، جب کہ آپؐ خود عقل وتدبیر کا اعلیٰ ترین نمونہ اور رسالت کا پیغام پہنچانے کے ذمہ دار تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

"اور اب انہیں معاف کردو، ان کے لئے استغفار کرو اور ان سے (جنگ کے) معاملے میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔"[1]

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹

قرآن مجید میں اسلامی معاشرے کے افراد کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾

"اور جو اپنے رب کی باتوں کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔"[1]

یہ قرآنی احکام و بیانات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ مقدّر ساز امور کے فیصلے میں لوگوں کی حصہ داری، صرف ایک ممکنہ امر اور اختیار نہیں ہے، بلکہ اس پر اسلام نے ایک دینی فریضے اور نظریاتی معاملے کی صورت میں زور دیا ہے جو اسلام کے نا قابل تغییر اجتماعی اور سیاسی اصولوں میں سے ایک ہے، چنانچہ قرآن مجید میں واضح طریقے سے بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

[1] سورۂ شوریٰ، آیت ۳۸

"اور خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے۔"[۱]

لوگوں کی آپسی مشورت اور سیاسی و اجتماعی امور میں عوامی رائے کے احترام اور قوم کے افراد کو اعتماد میں لینے کے اہم معاملے پر اسلام کی خاص توجہ اس بات کی غمّازی کرتی ہے کہ اسلامی شریعت انسان کے فطری حقوق کی بنیادوں پر استوار ہے اور انسانوں کو اپنی خداداد، ذاتی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور فکر و نظر کے اظہار کی آزادی دیتی ہے۔[۲]

صدر اسلام کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ (سیاسی، اقتصادی اور دینی امور سمیت) تمام اجتماعی معاملات میں شورائی نظام، پہلی اسلامی حکومت کے اہم ترین ارکان میں شامل تھا، جس کی بنیاد پیغمبر اسلام ﷺ نے رکھی تھی۔

---

[۱] سورۂ رعد، آیت ۱۱

[۲] اسلام و حقوق طبیعی انسان، ص ۱۶

تاریخی شواہد کی رو سے آپؐ بہت سے امور میں اپنے اصحاب کے ساتھ صلاح، مشورہ اور مختلف افراد کی رائے پر غور فرماتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ اہل فکر و نظر کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اہمیت دیتے تھے، یہاں تک کہ اس اہم اصول کی پاسداری کرتے ہوئے بعض مواقع پر اپنی رائے کو چھوڑ کر اصحاب کی اکثریتی آراء پر عمل فرماتے تھے۔

اس طریقے سے آپؐ اپنے اصحاب کو اجتماعی امور میں دوسروں کے ساتھ صلاح، مشورے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کی تعلیم دیتے اور معاشرے میں عام لوگوں کی آراء و نظریات کے احترام کے عمل کو تقویت پہنچاتے تھے۔

تاریخی شواہد کی بنا پر اس روش کا عملی مظاہرہ غزوۂ بدر کے موقع پر کیا گیا۔

اس غزوہ میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلا کر ان کے ساتھ جنگی حکمت عملی وضع کرنے کے لئے صلاح و مشورہ کیا،

چنانچہ اس سلسلے میں دو نظریات سامنے آئے اور آپؐ نے اپنی رائے پر انصار کی رائے کو ترجیح دی۔[1]

اسی طرح غزوۂ احد میں آپؐ نے دشمن کے سامنے دفاعی پوزیشن اور مقابلے کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے اپنے اصحاب اور اہل مدینہ سے مشورہ کیا اور اس کے باوجود کہ آپؐ مدینہ سے باہر نکلنے کے حق میں نہیں تھے، لیکن آپؐ نے اکثریتی آراء کا احترام کرتے ہوئے مدینہ سے نکلنے کو ترجیح دی۔[2]

اکثریتی آراء کا احترام، شورائی نظام اور عوامی شراکت کی رعایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں آمریت اور ہٹ دھرمی معاشرے کی گمراہی و ضلالت کا باعث اور صلاح و مشورہ معاشرے میں لغزشوں کو روکنے کا سبب بنتا ہے۔

چنانچہ وصی رسول ﷺ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

---

[1] سیرۃ ابن ہشام، ج ۱/ص: ۶۱

[2] الرّسول القائد (ص)، ص: ۱۶۰

"جو خود رائی سے کام لے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اور جو لوگوں سے مشورہ کرے گا وہ ان کی عقلوں میں شریک ہو جائے گا۔[1]

۱۰۔ بردہ فروشی کی تنسیخ

یقیناً بردگی کی ناپسندیدہ اور غیر انسانی رسم کی تنسیخ، دین اسلام کی اہم ترین کامیابیوں میں سے ایک ہے، جو تقریباً اس دور میں دنیا کی تمام اقوام و ممالک میں رائج تھی۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلامی شریعت نے کسی بھی دین اور مکتب فکر کی نسبت اس باطل اور مذموم رسم کی بھرپور طریقے سے مخالفت کی اور اس معاشرتی برائی کا ہمیشہ مقابلہ کیا۔

اسلام نے لوگوں کے درمیان مساوات کے اعلان، انسانوں کی خرید و فروخت کی ممانعت، نیز غلاموں اور کنیزوں کی آزادی کی ترغیب کے ذریعے انسانیت کے پاؤں میں بندھی ہوئی صدیوں

[1] نہج البلاغہ، حکیمانہ کلام ـــ ۱۶۱

پرانی زنجیروں کو توڑ پھینکنے کے لئے بنیادی اور اصولی قدم اٹھایا، چنانچہ غلاموں کی آزادی کو دنیا کی وابستگی سے نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وما ادراک ما العقبۃ فکّ رقبۃ﴾

"اور تم کیا جانو یہ گھاٹی کیا ہے کسی گردن کاآزاد کرانا۔"[۱]

اسی طرح غلاموں کو معاشرے کے دیگر افراد کے برابر حقوق کی ادائیگی بھی ان بنیادی اقدامات میں سے ایک ہے جو بردہ فروشی کی تنسیخ میں موثر ثابت ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"غلام، تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ماتحت قرار دیئے ہیں، جو تم کھاتے اور پہنتے ہو، ان کو بھی وہی کھلادو اور

---

[۱] سورۂ بلد، آیات: ۱۳، ۱۲

پہنادو، ان سے ان کی توانائیوں سے زیادہ کام نہ لو اور کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔"[۱]

اس کے علاوہ اسلام نے غلامی و بردہ فروشی کی رسم کے مقابلے اور اس کی تنسیخ کے لئے غلاموں کی آزادی کے مختلف طریقوں کو متعارف کرایا ہے۔

"باب عتق" یعنی غلاموں کی آزادی کا باب اسلامی فقہ کے اہم ترین ابواب میں شمار ہوتا ہے۔[۲]

یہاں پر ہم غلاموں کی آزادی کے بارے میں اختصار کے ساتھ وضاحت کرتے ہیں:

---

[۱] تاریخ تمدّن اسلامی در قرن چہارم

[۲] اسلام ومالکیت در مقایسہ با نظامھاے اقتصادی غرب، ص: ۲۴۱

اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے مندرجہ ذیل طریقے وضع کئے ہیں:

مباشرت

قرآنی تعلیمات اور بزرگان دین کی ہدایات کی روشنی میں ثواب اور قرب الٰہی کے حصول کے لئے مالک اپنے اختیار سے یا کسی نذر اور عہد و پیمان کے بعد اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے یا کوئی شخص کسی طریقے سے غلاموں کو خرید کر ان کو آزاد کرنے کا اہتمام کرتا ہے، یہ روش قرآن کے نص کے مطابق ہے۔[1]

مکاتبہ

اس روش میں مالک اور غلام کے درمیان ایک معاہدہ طے پاتا ہے اور کسی مال کے بدلے غلام، بردگی کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے، اس روش کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

---

[1] رجوع کیجئے سورۂ بلد کی مذکورہ بالا آیات ۱۲ و ۱۳

﴿والذین یبتغون الکتاب ممّا ملکت ایمانکم فکاتبوهم ان علمتم فیهم خیرا﴾
"اور جو غلام یا کنیز مکاتبت کے طلبگار ہیں، ان میں خیر دیکھو تو ان سے مکاتبت کرلو۔"[1]

تدبیر

اس روش میں مالک وصیت کرتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد، اس کا غلام یا کنیز آزاد ہو گی۔

سرایت

اگر غلام کے مالکان، ایک سے زیادہ ہوں تو غلام کی جزوی آزادی، اس کی مکمّل آزادی کا سبب بنتی ہے اور مالکان میں سے آزاد کرنے والے مالک اور غلام کو دوسرے مالک کے حصے کو ادا کرنے کے لئے کوششیں بروئے کار لانی چاہئیں۔[2]

[1] سورۂ نور، آیت: ۳۳
[2] اسلام ومالکیت در مقایسہ با نظامھائے اقتصادی غرب، ص: ۳۴۳

اس کے علاوہ اسلامی قوانین کے مطابق اگر مالک کے تشدّد کی وجہ سے غلام کے جسم کا کوئی عضو اس کے جسم سے علیحدہ ہوجائے، یا مالک، غلام کی اس طرح پٹائی کرے کہ وہ زخمی ہوجائے تو اس کو آزاد کرنا پڑے گا۔[۱]

اسلامی فقہ میں غلاموں کی آزادی سے متعلق بیان کئے جانے والے مستقل احکام کے علاوہ، دیگر دینی احکام جیسے کفّارات[۲]، دیات[۳] اور ارث[۴] کے احکام میں بھی غلاموں اور کنیزوں کی آزادی کے بارے میں طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

اسلام کے مخالفین اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف افراد، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے منصۂ شہود پر آنے کے فوراً بعد غلامی اور بردہ فروشی کو منسوخ کیوں نہیں کیا؟

---

[۱] تاریخ اندیشہ ھاے سیاسی در اسلام وایران، ص: ۹۳

[۲] سورۂ مائدہ، آیت: ۸۹

[۳] سورۂ نساء، آیت: ۹۲

[۴] اسلام ومالکیت در مقایسہ با نظامھای اقتصادی غرب، ص: ۳۴۵

نہ صرف یہ بلکہ ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام نے غلاموں کی ملکیت اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں قوانین وضع کرتے ہوئے ضمنی طور پر غلامی اور بردہ فروشی کی توثیق کیوں کی اور اس کو جائز کیوں قرار دیا؟

وہ یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ اسلام نے جنگوں میں غلام بنانے کی روایت کے مطابق جنگی قیدیوں کو غلاموں کی حیثیت سے رکھنے کے عمل کو کیوں جاری رکھا؟

درحقیقت بردگی کی تاریخ کا انسانی زندگی کی ابتدا سے ہی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اس مذموم رسم کی تاریخ بہت قدیمی ہے اور اس کی جڑیں تاریخ میں پیوست ہیں، چنانچہ تقریبا دنیا کے تمام ممالک اور اقوام میں اس کا رواج رہا ہے۔

حالیہ صدیوں کے دوران حتّی کہ فرانس کے عظیم انقلاب کے بعد بھی بردہ فروشی کا خاتمہ نہ ہو سکا، یہاں تک کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور کو منظور کیا گیا۔[۱]

انسانی حقوق کے منشور کے اعلان کے بعد آج بھی یہ روایت مختلف عناوین اور طریقوں سے گذشتہ کی طرح رائج ہے۔

اسلام سے قبل کے ادوار میں کوئی شخص حتّی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جو ایک عظیم اور انسان دوست پیغمبر تھے، مسیحی اشراف کی سخت مخالفت کی وجہ سے غلامی اور بردگی کی رسم کو منسوخ نہ کر سکے۔[۲]

مسلمہ امر ہے کہ ایسے حالات میں تاریخی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے جس قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں اسلام دوچار تھا، اس مذموم رسم کو ایک دم منسوخ کرنا ممکن نہیں تھا، لیکن اسلامی شریعت نے بردہ فروشی اور غلامی کے سلسلے میں جاہلی عربوں کی

---

[۱] تاریخ اندیشہ ھاے سیاسی در اسلام وایران، ص: ۸۵

[۲] اسلام ومالکیت در مقایسہ با نظامھاے اقتصادی غرب ص: ۳۲۷

کسی بھی رسم کی تائید نہیں کی، بلکہ ایک حکمت عملی کے تحت غلاموں اور دیگر انسانوں کے درمیان پائی جانے والی تفریق کو قدم بہ قدم اور آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

نیز اسلام نے مختلف علاقوں پر لشکر کشی اور تاخت وتاراج کے ذریعے لوگوں کو مقیّد کر کے غلام اور باندی بنانے کی روش کو ترک کرنے کی ترغیب و حوصلہ افزائی کے مختلف طریقے وضع کئے تاکہ ان مذموم عادتوں اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کیا جاسکے۔

چنانچہ وہ اس مقصد میں مکمّل طور پر کامیاب رہا۔

اسلام کی طرف سے بردگی کی مخالفت کی ایک قطعی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مشہور حدیث ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا ہے:

"لوگوں میں بدترین شخص وہ ہے جو انسانوں کی خرید وفروخت کرتا ہے۔"[1]

---

[1] تاریخ تمدّن اسلامی در قرن چھارم

یقیناً اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے بھرپور اور طویل المیعاد تدبیر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

۱۱۔ آزادی نسواں کا اعلان

معاشرتی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام کا ایک عظیم کارنامہ، عورتوں کی طرف توجّہ اور ان کے حقوق کا تعیّن ہے۔

اس سے قبل ہم نے بتا یا تھا کہ ظہور اسلام کے دوران، عورتوں کے حالات بہت ہی ناگفتہ بہ تھے، چنانچہ اگر کسی خاتون کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو غم واندوہ اور غصے سے اس کے شوہر کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا اور احساس ذلت کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے دور ہوتا تھا، چنانچہ ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے:

﴿واذا بشّر احدهم بالانثى ظلّ وجهه مسودّا وهو كظيم★ يتوارى من القوم من سوء ما بشّر به ايمسكه على هون ام يد سّه فى التراب الا سآء ما يحكمون﴾

"اور جب خود ان میں سے کسی کو لڑکی، کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے، قوم سے منہ چھپالیتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی ہے، اب اس کو ذلت سمیت زندہ رکھے یا خاک میں ملادے، یقینا یہ لوگ بہت برا فیصلہ کر رہے ہیں۔"[۱]

عورتوں کے ساتھ جاہلی دور کے عربوں کا سلوک، اپنے چوپاؤں سے بھی زیادہ بدتر تھا، احساس ذلت کے ساتھ لڑکیوں اور غربت وافلاس کے ڈر سے کنیزوں کو زندہ در گور کرنا، ناشائستہ اور برا عمل نہیں سمجھا جاتا تھا۔[۲]

ظہور اسلام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی پہلوؤں کی بنیاد پر مرد اور عورت کی برابری کا اعلان کیا، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[۱] سورۂ نحل، آیات: ۵۸، ۵۹

[۲] تاریخ اسلام، علی دوانی۔ص: ۴۳

﴿هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها﴾

"وہی خدا ہے جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا ہے تاکہ اس سے سکون حاصل ہو۔"[۱]

اسلام نے جاہلی ثقافت میں مرسوم لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے مذموم عمل کے ارتکاب کرنے والوں کو متنبّہ کیا کہ یہ عمل، سنگین اور قابل سزا جرم ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿واذا الموؤدة سئلت بایّ ذنب قتلت﴾

"اور زندہ درگور لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ انہیں کس گناہ میں مارا گیا ہے۔"[۲]

قرآن مجید حقوق نسواں کے احیاء کا علمبردار ہے اور اسلام کی مخالفت کرنے والے کم از کم اس بات کا اعتراف ضرور کرتے ہیں

---

[۱] سورۂ اعراف، آیت: ۱۸۹

[۲] سورۂ تکویر، آیات: ۸،۹

کہ قرآن مجید نے اپنے دور نزول میں عورتوں اور ان کے انسانی حقوق کے سلسلے میں بہت اہم اقدامات کئے ہیں۔

لیکن قرآن نے عورتوں کے حقوق کے نام پر ان کے انسانی پہلوؤں، مقام انسانیت وانسانی حقوق میں مرد کے ساتھ عورت کی شراکت اور مرد اور عورت کی جنسیت کو کبھی نظرانداز نہیں کیا، دوسرے الفاظ میں عورت کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نگاہ فطرت کے عین مطابق ہے، اسی بناپر قرآنی تعلیمات اور فطری قوانین میں مکمّل ہماہنگی پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں عورت کا تصوّر وہی ہے جو فطرت میں موجود ہے، کیوں کہ یہ دو عظیم الٰہی کتابیں (نشانیاں) ایک دوسرے سے ہماہنگ ہیں۔

عورت اور مرد کے خاندانی حقوق کے بارے میں اسلام ایک خاص نظریہ رکھتا ہے، جب کہ چودہ سو سال پہلے کے حالات اور آج کے حالات میں زمین، آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

اسلام، مرد اور عورت کے لئے تمام حالات اور مواقع پر ایک ہی قسم کے حقوق و فرائض متعیّن نہیں کرتا اور سزائیں مقرّر نہیں کرتا ہے۔

اسلامی احکام میں مرد کے لئے علیحدہ حقوق و فرائض اور سزائیں مقرّر کئے گئے ہیں، جب کہ عورت کے لئے الگ قسم کے حقوق و فرائض اور سزائیں مقرّر کی گئی ہیں۔

چنانچہ بعض باتوں میں مرد اور عورت ایک جیسی حیثیت کے حامل ہیں اور بعض باتوں میں ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔[۱]

قرآن مجید کی متعدّد آیات میں کہا گیا ہے کہ عورتوں اور مردوں کو ایک ہی نوع اور ایک جیسی سرشت سے خلق کیا گیا ہے۔[۲]

---

[۱] نظام حقوق زن در اسلام، شہید مطہری۔ص:۱۰۹

[۲] رجوع کیجئے: سورۂ نساء، آیت:۱/ سورۂ اعراف، آیت:۱۸۹/ سورۂ روم، آیت:۲۰

خدا نے انسان کو ایک ہی باپ یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور ان ہی سے ان کے جوڑے، حوّا علیہا السلام کو بنایا، اس بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿خلقكم من نفس واحدة ثمّ جعل منها زوجها﴾

"اس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی سے اس کا جوڑا قرار دیا ہے۔"[1]

اس طرح اسلام نے قبل اسلام کے بعض تحریف شدہ دینی مآخذ میں بیان کئے جانے والے اس نظریئے کو غلط قرار دیا کہ عورت، مرد سے پست تر سرشت سے خلق کی گئی ہے۔

اسلام نے ان نظریات پر بھی خط بطلان کھینچ دیا کہ "عورت گناہ کا عنصر یا چھوٹا شیطان ہے" اور "عورت قرب الٰہی حاصل نہیں کر سکتی اور اعلیٰ روحانی و معنوی مقامات تک نہیں پہنچ سکتی ہے"

---

[1] سورۂ زمر، آیت: ٦

قرآن مجید میں اعلی مرتبے پر فائز ہر عظیم مرد کے ذکر ساتھ ایک بلند پایہ اور با عفت وحیا عورت کا تذکرہ ملتا ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماؤں کے نام، عزّت و تکریم کے ساتھ لیا گیا ہے۔

قرآن میں جہاں حضرت نوح علیہ السلام و حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا تذکرہ غیر شائستہ خواتین کے عنوان سے کیا گیا ہے، وہاں فرعون کی بیوی (سارہ) کو ایک باعظمت خاتون کے طور پر متعارف کرایا ہے جو ایک پلید وبدکردار مرد کے ہاتھوں مجبور تھیں۔

قرآن، تاریخی حکایات بیان کرتے ہوئے عورت اور مرد کے درمیان توازن کو قائم رکھتا ہے اور صرف مردوں کو تاریخی کارنامے انجام دینے والوں کے عنوان سے روشناس نہیں کراتا ہے۔

اسلام میں مرد اور عورت کی حیثیت اور حقوق کے سلسلے میں جس بات کی اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ دونوں انسان ہیں اور اس لحاظ سے دونوں برابر کے حقوق کے مالک ہیں۔

مغرب میں رائج "(مرد اور عورت کے) مساوی حقوق" کی اصطلاح ایک جعلی لیبل کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جس کو وہ اپنے کھوکھلے نعروں کی توجیہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

عالم مغرب میں اس بات کی سعی کی جاتی ہے کہ قوانین وضوابط اور حقوق وفرائض کے لحاظ سے عورت اور مرد ایک جیسی حیثیت کے حامل ہوں۔

مغرب والے عورتوں اور مردوں کے درمیان موجود جبلی اور فطری اختلافات کو نظر انداز کرتے ہیں، اسلام کے نقطۂ نگاہ اور مغربی نظاموں میں پایا جانے والا اختلاف اسی بات پر ہے۔[1]

[1] نظام حقوق زن در اسلام، شہید مطہری، ص: ۱۲۱۔۱۲۲

بیسویں صدی سے قبل یورپ میں قانونی و عملی طور پر عورت انسانی حقوق سے محروم تھی، اس کو نہ مرد کے برابر حقوق حاصل تھے اور نہ ہی وہ اس کے مشابہ حقوق کی مالک تھی۔

چنانچہ گذشتہ ایک صدی سے بھی کم عرصے میں عورت کے نام پر اور عورت کے لئے عجلت میں چلائی جانے والی تحریک کے نتیجے میں بہ ظاہر یورپی عورتوں کو کچھ حد تک مردوں کے مشابہ حقوق حاصل ہوئے ہیں۔

لیکن عورت کی فطری صورتحال اور اس کے جسمانی و روحانی تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے (مغربی) عورت کو کبھی مردوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں ہوئے۔

اسلام کے نقطۂ نگاہ سے عورت و مرد کی فطری حیثیت اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے بعض حقوق مشابہ نہ ہوں، بلکہ انسانی پہلو کے تناظر میں مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات ہونی چاہیئے۔

اسلام ہر قسم کے حقوق میں عورت اور مرد کے درمیان مشابہت، وحدت اور یکسانیت کو ان کی فطری حیثیت اور جسمانی وروحانی تقاضوں کے منافی قرار دیتے ہوئے، رد کرتا ہے۔

اسلام کی نظر میں عورت اور مرد کی فطری اور بنیادی حقوق میں فرق پایا جاتا ہے۔

خاوند ہونے کے ناطے، شوہر اور مرد خاص حقوق و فرائض کا متقاضی ہے اور بیوی کے عنوان سے بیوی اور عورت کے اپنے مخصوص حقوق وفرائض ہیں، اسی طرح ماں، باپ اور اولاد کے بھی (خاص حقوق وفرائض) ہوتے ہیں۔

خاندان میں عورت اور مرد کے حقوق کے عدم مساوات کا نظریہ، جس کو اسلام قبول کرتا ہے، اسی فلسفہ و دلیل پر مبنی ہے۔[1]

[1] نظام حقوق زن در اسلام، شہید مطہری، ص: ۱۵۲، ۱۵۳

۱۲۔ انسان کے اجتماعی حقوق

اسلامی شریعت کی نظر میں اسلامی معاشرے کے افراد، انفرادی اور سیاسی آزادیوں کے علاوہ، اجتماعی نقطۂ نگاہ سے بھی مختلف قسم کے حقوق سے بہرہ ور ہوتے ہیں، جن میں اہم ترین حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

محل رہائش کے انتخاب اور نقل مکانی و ہجرت کا حق، ذاتی و انفرادی زندگی میں امن وامان سے بہرہ ور ہونے کا حق، خاندان کی تشکیل اور شریک حیات کے انتخاب کا حق، ملازمت، پیشے اور مناسب کام کاج کے انتخاب کا حق، تعلیم اور حصول علم ودانش کے علاوہ ان تمام اجتماعی حقوق سے بہروہ ور ہونے کا حق جو انسان کی زندگی کی فلاح و بہبود اور ہدایت و تکامل کے لئے ضروری ہیں۔

اگرچہ مذکورہ حقوق کے سلسلے میں آئندہ مقالات میں گفتگو کی جائے گی، لیکن یہاں پر ان میں سے بعض کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نگاہ کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے:

محل رہائش کا انتخاب اور ہجرت کا حق

اسلامی شریعت کی رو سے انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی جگہ رہائش اختیار کرے یا کسی ملک کی طرف سفر کرے، نہ صرف یہ بلکہ اصولی طور پر تاکید کی گئی ہے کہ ظلم وستم سے فرار اور تاریخی واقعات کو بہتر سمجھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے، نیز رہائش کے لئے موزوں مقام کی جستجو کی غرض سے دوسرے ممالک میں سفر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف "ہجرت" کرنا چاہئے۔

قرآن مجید میں ہجرت کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

﴿ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة﴾

"اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور وسعت پائے گا۔"[1]

خصوصی اور ذاتی زندگی کا احترام

دین اسلام میں انسان کی خصوصی اور ذاتی زندگی اور اس کی چار دیواری یا گھر کو خاص احترام حاصل ہے اور معاشرے کے تمام افراد پر فرض ہے کہ دوسروں کی ذاتی زندگی کی حدود کا احترام کریں اور کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ دوسروں کی زندگی کے معاملات کے بارے میں تجسّس اور تحقیق کرے۔

قرآن مجید دوسروں کے بارے میں بدگمانی اور ان کی عیب جوئی کو گناہ قرار دیتے ہوئے اپنے پیروؤں اور ایمان لانے والوں کو اس گناہ کے ارتکاب سے منع کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

[1] سورۂ نساء، آیت: ۱۰۰

"ایمان والو اکثر گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں اور خبر دار ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو۔"[۱]

قرآن مجید میں معاشرے کے افراد کی آسائش کو مدّ نظر رکھتے ہوئے دوسروں کی ذاتی زندگی کے ماحول اور گھر میں مکینوں کی پیشگی اجازت کے بغیر داخل ہونے سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَ تُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَ إِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

" ایمان والو خبر دار اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا، جب تک کہ صاحبان خانہ سے اجازت نہ لے لو اور

[۱] سورۂ حجرات، آیت: ۱۲

انہیں سلام نہ کرلو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے کہ شائد تم اس سے نصیحت حاصل کر سکو پھر اگر گھر میں کوئی نہ ملے تو اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک اجازت نہ مل جائے او اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جانا کہ یہی تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ امر ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"[1]

خاندان کی تشکیل اور شریک حیات کے انتخاب کا حق

خاندان کی تشکیل ان حقوق میں شمار ہوتی ہے جن پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے اور شاید کسی بھی دین یا مذہب نے اسلام کی حد تک اس معاملے کی تاکید نہیں کی ہے۔

ازدواج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کو معاشرے کے افراد کے عقیدہ و دیانت سے جوڑتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[1] سورۂ نور، آیت ۲۷، ۲۸

"جس نے شادی کی، گویا اس نے اپنا آدھا دین بچالیا ہے۔"[1]

اسلام کی نظر میں مرد اور عورت دونوں شریک حیات کے انتخاب میں آزاد ہیں اور رشتہ مانگنے کے سلسلے میں نسل و قوم اور رنگ وغیرہ جیسے معیارات کی کوئی پابندی نہیں ہے، اس کے علاوہ شریک حیات کے انتخاب اور گھرانے کی بنیاد رکھنے کے لئے میاں بیوی کی رضایت کی شرط رکھی گئی ہے جو عورتوں اور مردوں کے مقام و منزلت کو بڑھانے کا سبب ہے۔

پیشے کا انتخاب اور اجرت لینے کا حق

اسلام میں ہر شخص پیشے کے انتخاب میں آزاد ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی اور شخص کو ایک مخصوص کام پر مجبور کرے۔

جبری مشقت لینے کو اسلام، ایک ظالمانہ اور انسانی حیثیت کے منافی عمل اور عزّت نفس مجروح کرنے کے مترادف قرار دیتا

[1] آثار الصّادقین، ج: ۷، ص: ۴۴۹، حدیث نمبر: ۱۰، ۵٦۸

ہے، چنانچہ جانشین رسول ﷺ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ کسی شخص کو ایسے کام کی انجام دہی پر مجبور کروں، جس کو وہ کرنا نہیں چاہتا اور میں کسی سے جبری مشقت بھی نہیں لینا چاہتا ہوں۔"[۱]

مزدور کی محنت کی بہت زیادہ قدر دانی کر کے اسلام نے محنت کی عظمت اور مزدور کے صلہ کی ادائیگی کی اہمیت کے سلسلے میں دیگر ادیان و مذاہب پر گویا سبقت حاصل کر لیا ہے۔

چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ مزدور کے ہاتھوں کو چوم لیتے تھے۔[۲]

اسی طرح آپؐ فرماتے ہیں کہ "مزدور کی محنت کا صلہ، اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"[۳]

---

[۱] الامام علی (ع) صوت العدالۃ الانسانیۃ، جارج جرداق، ج: ۱/ص: ۲۰۸

[۲] نظام مالی در سیستم اقتصادی اسلام، ص: ۱۱۳

[۳] مذکورہ ماخذ، ص: ۱۱۵

تاہم اس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اسلام نے جہاں لوگوں کو پیشے کے انتخاب کا اختیار دیا ہے وہاں اس نے بعض ایسے کاموں کی انجام دہی اور پیشوں کے انتخاب سے منع کیا ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتے اور معاشرے کے مفاد میں نہیں ہیں، نیز بعض پیشوں کو حرام قرار دیتے ہوئے ان کے انتخاب سے منع کیا گیا ہے۔[1]

(اسلام میں ممنوعہ پیشوں اور مصروفیات میں سود خوری، جوا اور انواع واقسام کی شرابوں کی پیداوار اور خرید وفروخت شامل ہیں۔)

یہ پیشے، معاشرے کے افراد کے ذہنی اور جسمانی ضعف وانحطاط کا باعث بنتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی شریعت میں ان تمام فطری حقوق کا تعیّن اور تعارف کرایا گیا ہے جو انسان کے

---

[1] سورۂ بقرہ، آیات: ۲۷۵،۲۷۶، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۳۰/ سورۂ نساء، آیت: ۱۶۱/ سورۂ روم، آیت: ۳۹

رشد وہدایت اور تکامل انسانی کے اصولوں کے تناظر میں ایک سعاد تمندانہ اور باعزّت زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

یہ بات صرف ایک نظریہ اور تجویز کی حد تک منحصر نہیں ہے بلکہ اسلام میں معقول اور بھرپور طریقے سے اس نظریئے پر عمل در آمد کی راہیں بھی متعیّن کی گئی ہیں۔

اس کا مقصد عملی اقدامات کے ذریعے معاشرے کے افراد کے لئے فلاح و بہبود اور سعادت کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

ہم آئندہ بعض اجتماعی حقوق کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیں گے۔

منابع و مآخذ

۱ ــآثار الصّادقین، صادق احسان بخش/ ناشر: نماز جمعہ کمیٹی، گیلان ــ ۱۳۷۱ہج ش (۹۳- ۱۹۹۲ع)
۲ ــاسلام و حقوق بشر، زین الدین قربانی/ ناشر: دفتر نشر فرہنگ اسلامی ــ ۱۳۷۵ہج ش (۹۷ ــ ۱۹۹۶ع)، تہران۔
۳ ــاسلام و حقوق طبیعی انسان، داود الہامی/ ناشر: دارالتبلیغ اسلامی ــ ۱۳۶۰ہج ش_ (۸۲ ــ ۱۹۸۱ع)، قم۔
۴ ــاسلام ومالکیت در مقایسہ با نظامھاے اقتصادی غرب، آیت اللہ طالقانی (رح)/ ۱۳۴۴ ہ ش (۶۶ ــ ۱۹۶۵ ع)، تہران۔
۵ ــالامام علی (ع) صوت العدالۃ الانسانیۃ، جارج جرداق/ ناشر: فراہانی پبلیکیشنز ــ ۱۳۴۴ ہج ش (۶۶ ــ ۱۹۶۵ ع)، تہران۔
۶ ــالبیان والتبیین، جاحظ/ طبع مصر ــ ۱۹۲۹ع، قاہرہ۔

۷ ۔الرّسول القائد (ص)/ طبع بیروت، لبنان۔
۸ ۔العصر الجاہلی، ڈاکٹر شوقی ضیف/ ناشر: دار المعارف، مصر ۔ ۱۳۴۰ہج ش (۶۲ ۔ ۱۹۶۱ع)
۹ ۔اندیشہ ھاے سیاسی در اسلام وایران، ڈاکٹر عسکر حقوقی ۔ ۱۳۷۴ہج ش (۹۶ ۔ ۱۹۹۵ع)، تہران۔
۱۰ ۔تاریخ اسلام،، علی دوانی/ ناشر: دفتر انتشارات اسلامی ۔ ۱۳۷۳ہج ش (۹۵ ۔ ۱۹۹۴ع)، قم۔
۱۱ ۔تاریخ تمدّن اسلام و غرب، فرانسیسی دانشور گوستاؤلوبون۔
۱۲ ۔تاریخ تمدّن اسلامی در قرن چھارم، آدم فیز ۔ ۱۳۴۳ہج ش (۶۵ ۔ ۱۹۶۴ع)، تہران۔
۱۳ ۔تاریخ عرب، فلپ کے ہٹی/ فرانکلن پبلیکیشنز۔ ۱۳۴۴ ہج ش (۶۶ ۔ ۱۹۶۵ع)، تبریز۔
۱۴ - حقوق اساسی و نھادھای سیاسی، سیّد جلال الدین مدنی ۔ ۱۳۷۰ہج ش (۹۲ ۔ ۱۹۹۱ع)، تہران۔

۱۵ ۔حقوق بشر، اسد اللہ مبشّری/ ناشر: دفتر فرھنگ اسلامی ۔ ۱۳۷۵ہج ش (۷۹ ۔ ۱۹۹۶ع)، تہران۔
۱۶ ۔خدمات متقابل اسلام وایران، آیت اللہ شھید مرتضی مطھّری/ ناشر: شرکت سھامی انتشار۔
۱۷ ۔رحمت عالمیان محمد (ص)، فضل اللہ کمپانی/ ناشر: دار الکتب الاسلامیۃ۔
۱۸ ۔سیرۃ الرّسول (ص)، ابن ہشام/ طبع کیٹگن ۔ ۱۸۵۸ ع۔
۱۹ ۔سیری در سیرۂ نبوی (ص)، آیت اللہ شھید مرتضی مطھّری۔
۲۰ ۔فلسفۂ سیاسی اسلام، ڈاکٹر عسکر حقوقی ۔ ۱۳۵۴ ہج ش (۷۶ ۔ ۱۹۷۵ع)، تہران۔
۲۱ ۔قرآن مجید (اردو ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی/ انصاریان پبلیکیشنز، قم۔)

۲۲ - الملل والنحل، ابو الفتح محمّد ابن ابو القاسم عبد الکریم شہرستانی/ طبع لیپزک ــ ۱۹۲۳ع۔

۲۳ ــ مجلّہ اندیشۂ اسلامی، شمارہ: ۴، ۵ ــ تہران۔

۲۴ ــ نظام الحکم و الادارۃ فی الاسلام، محمّد مہدی شمس ادین/ طبع بیروت، لبنان۔

۲۵ ــ نظام حقوق زن در اسلام، آیت اللہ شہید مرتضی مطہّری/ ناشر: صدرا پبلیکیشنز۔ ۱۳۷۵ ہج ش (۹۷ ــ ۱۹۹۶ ع)، تہران۔

۲۶ ــ نظام مالی در سیستم اقتصاد اسلامی، آیت اللہ محمّد مہدی آصفی۔

۲۷ ــ نہج البلاغہ، فیض الاسلام/ ۱۳۴۶ ہج ش (۶۸ ــ ۱۹۶۷ ع)، تہران۔ (ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی ــ انصاریان پبلیکیشنز، قم۔)

۲۸ ــ نہج الفصاحہ، طبع تہران۔

۲۹ – Human Rights in Islamic Law,
Tahlr Mahmoud – New Delhi – ۱۹۹۳.